بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
فَاسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
فتاوٰی نظامیہ
از:
حضرت العلام المفتی محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اول دار الافتاء مدرسہ نظامیہ

رقیۃ زوّجہ اُم کلثوم و لما ماتت قال لو کانت عندی ثالثۃ لزوّجتکہا ( ثم عَلِیٌّ المرتضیٰ ) من عباد اللّٰہ و خلص اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ۔ علیٰ ھذا وجدنا السلف و الظاھر انہ لو لم یکن لھم دلیل علی ذلک لما حکموا بذلک ۔ پس از روئے فتویٰ تمام اہل سنت و جماعت پر سلف کے عقیدہ کی طرح اپنا عقیدہ رکھنا لازم ہے ۔

حضرات قادریہ و چشتیہ کا فضیلت میں سب کو برابر سمجھنا یہ محض سائل کا بیان ہے ۔ اس دعویٰ کو کسی معتبر حوالہ اور دلیل سے ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے ۔ البتہ بعض حضرات صوفیہ کرام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم سے امام الاولیاء ہونے کی وجہ سے ایک خاص محبت ہوتی ہے ، چونکہ اہلِ طریقت کو اکثر اُن کے ذوق و کشفِ خاص سے ایسی بات حاصل ہوتی ہے ، اس لئے عام مسلمانوں کے ملئے جو ان کے ہم مشرب نہیں ہیں جب تک کہ ان لوگوں کو ایسا ذوق و کشف حاصل نہو ، ہر بات میں اُن بزرگواروں کی برابری کرنا بہتر نہیں ہے ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔

## الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داڑھی مونڈھنا اور کترنا جائز ہے یا نا جائز ؟ اور کس قدر داڑھی رکھنا سنت ہے ؟

## الجواب

داڑھی کل مونڈھنا ہندوستان کے یہودی اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے ، شرعاً یہ فعل اصلاً نا جائز ہے ۔ اور داڑھی کترنا بعض اہل مغرب اور مخنثوں کا فعل ہے ، شرعاً یہ بھی قطعاً نا جائز ہے ۔ در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ میں ہے : و اما الأخذ منھا و ھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد و اخذ کلھا فعل یھود الھند و مجوس الأعاجم ۔ فتح ۔ ایک مٹھی داڑھی رکھنا سنت ہے ، ایک مٹھی سے زیادہ ہونے کی صورت میں کترنا شرعاً جائز ہے ۔ در مختار میں اسی صفحہ میں ہے : تطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون و ھو القبضۃ ۔ اسی صفحہ میں رد المحتار میں ہے : لا بأس بأن یقبض علیٰ لحیتہ فاذا زاد علیٰ القبضۃ شیء جزا کما فی المنیۃ ، و ھو سنۃ کما فی المنتقیٰ ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔

## الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس جگہ مرض طاعون پھیلا ہوا ہو ، وہاں سے مسلمانوں کو تبدیل مقام کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر نا جائز ہے تو نقل مقام کرنے والا مرتکبِ کبیرہ ہے یا اس کے ذمہ کفر عائد ہوتا ہے ؟ اور اس کی امامت درست ہے یا نہیں ؟

خلیفۂ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ملکِ شام میں جب فوجِ اسلام میں مرضِ طاعون پھیلا تھا تو آپ نے فوج کو وہاں سے منتقل ہونے کا حکم دیا تھا یا نہیں ؟ اگر اس زمانہ میں جہاں کہیں مرضِ طاعون شائع ہو وہاں سے نقلِ مقام کرنا بموجبِ حکم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جائز ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

## الجواب

طاعون کے زمانے میں کسی ضرورت کے لئے طاعون زدہ مقام سے باہر جانے کے جواز پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے ۔ نووی شرح صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۲۲۹ باب الطیرۃ و الطاعون میں ہے : و اتفقوا علی جواز الخروج بشغل و غرض غیر الفرار ۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۹ میں ہے : و من خرج لحاجة متمحضة لا لقصد الفرار اصلا و یتصور ذلک فیمن تھیأ للرحیل من بلد کان بھا الی بلد اقامتہ مثلا و لم یکن الطاعون وقع فاتفق وقوعہ فی اثناء تجھیزہ فھذا لم یقصد الفرار اصلا فلا یدخل فی النھی ۔ اگر کوئی طاعون زدہ مقام سے بغرضِ تبدیلِ آب و ہوا یہ خیال کرکے نکلے کہ اس مقام سے نکل جانا بھی اس مرض کی ایک دواء ہے تو یہ جائز ہے ۔ عینی شرح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۷ باب الطاعون میں اور شمس التواریخ مؤلفہ محمد سعادت اللہ کی جلد خلافت عمر میں ہے کہ ربیع الآخر ۱۸ھ میں جبکہ ملک شام کے ایک قریہ عمواس میں طاعون پھیل گیا تھا اور تین ہزار مسلمان اس میں فوت ہوگئے تھے ، اس کے انتظام کے لئے خود خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہورہے تھے ، راستہ میں لشکروں کے افسر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے ملاقات ہوئی ، ان حضرات نے مرض کی شدت بیان کی ، تب امیر المؤمنین نے حسب مشورۂ صحابۂ کبار و حدیثِ صحیح اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ مقام سرغ سے واپس ہوئے ، اور مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد آپ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو کہ لشکر کے ساتھ مقام طاعون ہی میں تشریف رکھتے تھے یہ تحریر فرمایا کہ : لشکر کو بغرضِ تبدیلِ آب و ہوا طاعون زدہ مقام سے نکال کر دوسری جگہ رکھیں ! حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح عمل کیا اور بفضلِ خدا مقام بدلنے سے طاعون دفع ہوگیا ۔ فتح الباری کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۹ میں بھی ایسا ہی ہے : و من اجاز نظر الیٰ انہ مستثنی من عموم الخروج فراراً لأنہ لم یتمحض للفرار و انما ھو لقصد التداوی و علی ذلک یحمل ما وقع فی اثر ابی موسیٰ المذکور ان عمر کتب اِلیٰ ابی عبیدة ان لی اِلیک حاجة فلا تضع کتابی من یدک حتی تقبل اِلیَّ فکتب الیہ انی قد عرفت حاجتک و انی فی جند من المسلمین لا اجد بنفسی رغبة عنھم فکتب الیہ اما بعد فانک نزلتَ بالمسلمین ارضا غمیقة فارفعھم الی ارض نزھة فدعا ابو عبیدة ابا موسیٰ فقال اخرج فارتد للمسلمین منزلا حتی انتقل بھم فذکر القصة فی اشتغال ابی موسیٰ باھلہ و وقوع الطاعون لأبی عبیدة لما وضع رجلہ فی الرکاب متوجھا و انہ نزل بالناس فی مکان آخر فارتفع الطاعون ۔ و قولہ غمیقة بغین معجمة و قاف بوزن عظیمة ای قرینة من المیاہ و النزور و ذلک مما یفسد غالباً بہ الھواء لفساد المیاہ ، و

النزهة الفسحة البعيدة عن الرخم ۔ فهذا يدل علىٰ ان عمر رأىٰ ان النهى عن الخروج انما هو لمن قصد الفرار متمحضا و لعله كانت له حاجة بأبى عبيدة فى نفس الأمر فلذٰلك استدعاه و ظن ابو عبيدة انه انما طلبه ليسلم من وقوع الطاعون به فاعتذر عن اجابته لذٰلك و قد كان امر عمر لأبى عبيدة بذٰلك بعد سماعهما للحديث المذكور من عبد الرحمٰن بن عوف فتأوّل عمر فيه ما تأوّل و استمر ابو عبيدة على الأخذ بظاهره ۔ و ايد الطحاوى صنع عمر بقصة العرنيين فان خروجهم من المدينة كان للعلاج لا للفرار و هو واضح من قصتهم ۔

اور عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقعہ پر جبکہ آپ حضرت ابو عبیدہ و معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما کے اس مرض سے شہید ہونے کے بعد امیر لشکر ہوئے، اس مرض سے بغرضِ تبدیلِ آب و ہوا و علاج پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگل کی طرف بھاگ کر نکل جانے کا لشکر کو حکم دیا تھا ۔ چنانچہ شمس التواریخ مؤلفہ مولانا محمد سعادت اللہ مطبوعہ مطبع ملج النور آگرہ حصہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۳۲۸ میں اس کی صراحت کی گئی ہے ۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی مطبوعہ انصاری کے صفحہ ۲۲۸ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے: و قال عمرو بن العاص: فروا عن هذا الرجز فى الشعاب و الأودية و رؤوس الجبال ۔ اور اس قسم کی اجازت اکابر دین کی ایک جماعت سے بھی ثابت ہے جن میں ابو موسیٰ اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ، اور تابعین میں سے اسود بن ہلال و مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے کاملین شریک ہیں ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۸ میں ہے: و نقل عياض و غيره جواز الخروج من الأرض التى يقع فيها الطاعون عن جماعة من الصحابة منهم ابو موسىٰ الأشعرى و المغيرة بن شعبة و من التابعين منهم الأسود بن هلال و مسروق رحمهما الله تعالىٰ ۔

موسم وباء و طاعون میں تبدیلِ آب و ہواء کے ذریعہ اس مرض کی دواء کرنے کے لئے طاعون و وبا زدہ مقام سے دور ہوجانے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۹ میں ابو داود سے بروایت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ یہ حدیث نقل کی ہے، لکھتے ہیں: و يدخل فيه ما اخرجه ابو داود من حديث فروة بن مسيك بمهملة و كاف مصغر قال قلت يا رسول الله ان عندنا ارضا يقال لها " ابين " هى ارض ريفنا و ميرتنا و هى وَبِئَة ؟ فقال: دعها عنك فان من القرف التلف ۔ قال ابن قتيبة القرف القرب من الوباء ۔ و قال الخطابى ليس فى هذا اثبات العدوىٰ و انما هو من باب التداوِى فان استصلاح الأهوية من انفع الأشياء فى تصحيح البدن و بالعكس ۔ یعنی فروہ بن مسیک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمارے کھیتوں اور غلہ اندازی کی ایک زراعتی زمین ہے جس کو ابین کہتے ہیں، وہاں وباء آگئی ہے اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ آپ نے فرمایا کہ اس علاقہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس کی نزدیکی سے ہلاکی ہے ۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک علاجی تدبیر ہے کیونکہ تبدیلی ہواء بدن کی صحت کے لئے نہایت نافع ہے ۔ اسی طرح وباء زدہ علاقہ میں جانا بدن کے لئے مضر ہے ۔

طاعون زدہ مقام سے یہ خیال کرکے بھاگ جانا کہ اگر ہم یہاں رہیں گے تو ضرور مر جائیں گے اور اگر بھاگ جائیں گے تو موت سے بچیں گے، یعنی یہاں رہنے سے موت ضرور آتی ہے اور بھاگنے سے نہیں آتی، اور جو لوگ بھاگ گئے ہیں وہ موت سے بچ گئے اور جو باقی ہیں وہ نہ جانے سے مررہے ہیں، اس قسم کے ارادے و نیت سے بھاگنا شرعاً ممنوع ہے۔ اور یہ عقیدہ بالکل خلاف شریعت ہے کیونکہ بفحوائے آیت کریمہ " اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ " اور آیت کریمہ " اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ " اور " وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا " موت انسان کو سخت مستحکم برجوں میں بھی نہیں چھوڑتی اور آیا وقت ٹلتا نہیں، پھر اس شخص کو اس طرح اپنے کو بچانا بالکل بےسود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں بھی طاعون سے بھاگ جانے کی ممانعت کی گئی اور بھاگنے والا گناہ میں جہاد سے بھاگنے والے کے برابر سمجھا گیا، یعنی جہاد سے بھاگنے والا جس طرح موت کے ڈر سے بھاگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں جنگ میں شریک رہوں گا تو ضرور مارا جاؤں گا اور بھاگ جانے سے ضرور میری نجات ہے، اور اس کا یہ اعتقاد موت کے متعلق ہر دو آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے، اسی طرح اس کا بھی حال ہے۔

بخاری شریف کے باب الطاعون میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان رسول اللّٰہ صلیٰ اللّٰہ علیہ و سلم قال اذا سمعتم بہ بأرض فلا تقدموا علیہ و اذا وقع بأرض و انتم بھا فلا تخرجوا فرارا منہ۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: الفارّ من الطاعون کالفارّ من الزحف و الصابر فیہ کالصابر فی الزحف۔ اور یہی مذکورہ بد اعتقادی ان احادیث صحیحہ میں بھاگنے کی ممانعت کا سبب بتلائی گئی ہے، چنانچہ فتح الباری کی جلد ۱۰ کے صفحہ ۱۵۸ میں ہے: و نھی من وقع و ھو بھا ان یخرج من الأرض التی نزل بھا لِئَلّا یسلم فیقول مثلاً لو اقمت فی تلک الأرض أصابنی ما أصاب اھلھا و لعلہ لو کان اقام بھا ما اصابہ من ذلک شیء اھ و یؤیدہ ما أخرجہ الھیثم بن کلیب و الطحاوی و البیھقی بسند حسن عن ابی موسیٰ انہ قال ان ھذا الطاعون قد وقع فمن اراد ان یتنزہ عنہ فلیفعل و احذروا ثنتین ان یقول قائل خرج خارج فسلم و جلس جالس فأصیب فلو کنت خرجتُ لسلمتُ کما سلم فلان او لو کنتُ جلست أصبت کما أصیب فلان۔ لکن ابو موسیٰ حمل النھی علی من قصد الفرار محضا و لا شک ان الصور ثلاث من خرج لقصد الفرار محضا فھذا یتناولہ النھی لا محالة۔ بلکہ بعض علماء نے اسی بد اعتقادی کے اندیشہ سے بر بنائے ظاہر احادیث بھاگنے کو حرام لکھا ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں اسی جگہ ہے: و خالفھم جماعة فقالوا یحرم الخروج منھا بظاھر النھی الثابت فی الأحادیث الماضیة و ھذا ھو الراجح عند الشافعیة۔ اور ایسے لوگوں کو ایام سابقہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزاء بھی دی گئی ہے جیسا کہ تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۱۶۹ میں آیت کریمہ " اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا " کی تفسیر میں ہے: قولہ تعالیٰ " اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ ھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ" ؎ اعلم ان الآيات في عدم الفرار من الموت كثيرة و هذا اولها و قصتها على ما في الحسيني على رواية انه لما نشأت الوباء في قرية وان قيل واسط خرج بعضهم من حواليهم و سلموا جميعا و استقر بعضهم في بيوتهم فهلكوا فتيقنوا ان الخروج عن الوباء سبب النجاة فمضى عليه الزمان ثم و ثم الىٰ ان نشأت الوباء مرة اخرىٰ فخرجوا من ديارهم جميعاً و هم الوف كثيرة ثمانية آلاف او اربعون او سبعون الف رجل و انما خرجوا جميعاً حذرا عن الموت و خشية فقال لهم الله موتوا او قال لهم ملكان ملكٌ من اعلىٰ الوادي و ملكٌ ما اسفلها فماتوا جميعا الخ ۔ یعنی بنی اسرائیل کے زمانہ میں جب قریہ وان یا واسط میں وباء آئی تھی تب وہاں کے بعض لوگ گھر چھوڑ کر چلدیئے اور بچ بھی گئے اور بعض گھروں میں بھی رہے اور مرگئے ۔ پس اس واقعہ سے ان لوگوں کو یہ یقین ہوگیا کہ بھاگ جانے سے انسان موت سے بچتا ہے اور رہنے سے نہیں بچتا ۔ چنانچہ جب ایک زمانہ کے بعد وہاں دوبارہ وباء نازل ہوئی تب وہ سب کے سب جن کی تعداد علی اختلاف روایات ستر ہزار تھی گھر چھوڑکر بھاگ گئے اور یہ خیال کرلیا کہ اب ہم موت سے بچ گئے ۔ اللہ تعالی نے ان کے اس نا شائستہ عقیدہ کی یہ سزاء دی کہ بحکم خداوندی وہ سب کے سب یک لخت مرگئے ۔ اس کے ایک عرصہ کے بعد جب حزقیل بن سوریا علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا تب آپ نے دعاء فرمائی اور وہ زندہ ہوگئے ۔ پھر ان پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا اور ہمارا خیال بالکل غلط تھا ۔ مصنف تفسیر احمدی نے اس کے بعد والے صفحہ میں اس بد عقیدگی کے زیر اثر طاعون زدہ مقام سے بھاگنے اور باہر سے وہاں آنے دونوں کو حرام لکھا ہے ۔ چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے: و المآل من هذه الآية انه قد تقرر اذا وقع في بلد وباء و طاعون حرم الفرار منه و كذا حرم الدخول فيه ۔

پس صورت مسئولہ میں ضرورت مند اشخاص کو اور ان ضعیف القلب مسلمانوں کو جو اس ہنگامہ کی دہشت سے گھبرا کر پریشان و خفقان زدہ ہوجاتے ہیں اور بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو جو عموماً ضعیفُ القلب ہوتے ہیں طاعون و وباء زدہ مقام سے کسی ضرورت کے تحت منتقل ہونا یا بغرض علاج تبدیل آب و ہواء کی نیت سے نقل مقام کرنا جائز ہے ۔ اور موت سے ڈرکر بھاگنا نا جائز ہے ۔ قوی دل اشخاص کو جو کہ مستقل مزاج ہیں اور ان کو اس ہنگامہ سے کسی طرح کی پریشانی نہیں ہوتی ، چاہئے کہ ایسے مقام میں رہکر شہادت کا ثواب حاصل کریں ۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ طاعون سے مرنے والا شہید ہے ۔ اسی طرح وہ شخص جو کہ طاعون زدہ مقام میں رہ کر استقلال سے قضاءِ الٰہی پر صبر کرتا ہے اگر زندہ رہے تو بھی اس کو شہادت کا ثواب ملتا ہے ۔ اور اگر وہ کسی دوسری بیماری سے مرے تب بھی اس کو شہادت کا ثواب ملتا ہے ۔

اور یہ مرض مسلمانوں کے رحمت ہے ۔ بخاری شریف کے باب الطاعون میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم " الطاعون شهادة لكل مسلم " اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے " و من صبر كان له اجر الشهيد " اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے: انها سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الطاعون فأخبرها نبى الله تعالىٰ انه كان عذابا يبعثه الله تعالىٰ علىٰ من يشاء فجعله الله رحمة للمؤمنين فليس من عبد يقع الطاعون فيمكث فى بلده صابرا يعلم انه لن يصيبه الا ما كتب الله له الا كان له مثل اجر الشهيد ۔ اور رد المحتار مطبوعہ مصر کی جلد ۱ صفحہ ۶۳۸ باب الشہید میں ہے: (قوله و المطعون) و كذا من مات فى زمن الطاعون بغيره اذا اقام فى بلده صابرا محتسبا فان له اجر الشهيد كما فى حديث البخارى۔

صورت مسئولہ میں جو مسلمان کہ طاعون زدہ مقام سے نکل گئے ہیں اگر ان کی نیت تبدیل آب و ہواء کی تھی یا اپنی کسی ضرورت کے تحت باہر گئے ہیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے ۔ اور اگر موت سے بھاگ کر گئے ہیں تو انہوں نے نا جائز فعل کا ارتکاب کیا ہے بلکہ بعض علماء کے قول پر حرام کے مرتکب ہوئے، اور مرتکب حرام شرعاً فاسق ہے جس کی امامت مکروہ ہے ۔ کافر نہیں ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

## الاستفتاء

۱۔کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے بلا سود قرض لینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔کیا ایسے مسلمان سے جس کا مال مکتسبہ تمام یا اکثر ناپاک و حرام ہے یا حلال و حرام مختلط ہے، دوسرے مسلمان کو قرض لینا مباح ہے؟ اور وہ نا پاک زر قرض کیا مدیون کے پاس آکر پاک و حلال ہوجائے گا؟ اگر مباح ہے اور پاک ہوجاتا ہے، تو جب مدیون کی طرف سے جس کا مال مکسوبہ تمام وجہ حلال سے ہے قرض خواہ کو اداء کیا جائے تو کیا یہ زر قرضہ قرض خواہ کے پاس بھی جاکر پاک و حلال رہے گا؟

## الجواب

کسی مسلمان کا اگر ذمی یعنی مشرک یا اہل کتاب پر قرض ہو، اور وہ ذمی اس قرض کو مال حرام سے مثلاً شراب بیچ کر اس کی قیمت اداء کرے، تو چونکہ ذمی کے پاس یہ حرام نہیں ہے اس لئے مسلمان کا اپنے قرضہ میں اس رقم کو لینا شرعاً جائز ہے ۔ اور اگر مسلمان کا کسی مسلمان پر قرض ہو اور وہ اس کو مال حرام یعنی شراب کی رقم سے اداء کرے تو چونکہ مسلمانوں کے پاس یہ رقم حرام ہے اس لئے مسلمان کا اس کو قرض میں لینا شرعاً نا جائز ہے ۔ در مختار مطبوعہ بر حاشیہ رد المحتار مصری جلد ۵ صفحہ ۲۵۵ کتاب الحظر و الاباحۃ میں ہے: (و جاز اخذ دَين علىٰ كافر من ثمن خمر) لصحة بيعه (بخلاف) دَين علىٰ (المسلم) لبطلانه الا اذا وكّل ذميا ببيعه فيجوز عنده خلافا لهما ۔ اور رد المحتار میں ہے: (قوله من ثمن خمر) بأن باع الكافر خمرا و اخذ ثمنها و قضى به الدين (قوله لصحة بيعه) اى بيع الكافر الخمر لأنها مال متقوم فى حقه فملك الثمن فيحل الأخذ منه بخلاف المسلم لعدم تقومها فى حقه قبض الثمن على ملك المشترى ۔ پس صورت مسئولہ میں چونکہ مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے پاس سود و